ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2640

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ فکر اسلامی، تاریخ وثقافت)

کورس: اصول وآدابِ افتا (2640) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 5–9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: فتویٰ کی تیاری واجرا کے مراحل اور اصول

سوال نمبر 1۔ فتویٰ کی تیاری اور اجرا کے مختلف مراحل بیان کیجیے۔ مسئلے کی درست تفہیم، اور جواب کی تدوین میں کن اصولوں کی رعایت ضروری ہے؟ (20)

تمہید

فتویٰ کوئی فوری ردِّ عمل نہیں بلکہ ایک منظم علمی عمل ہے جو کئی مراحل سے گزر کر سائل تک پہنچتا ہے۔ جس طرح طبیب تشخیص سے پہلے مریض کا پورا حال سنتا ہے، اسی طرح مفتی جواب سے پہلے مسئلے کی پوری صورت سمجھتا ہے، دلائل کا جائزہ لیتا ہے اور پھر جواب تحریر و تدوین کے تقاضوں کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ان مراحل کی پابندی ہی فتویٰ کو غلطی، ابہام اور غلط اطلاق سے بچاتی ہے۔ اس جواب میں فتویٰ کی تیاری کے مراحل ترتیب وار اور پھر مسئلے کی درست تفہیم اور جواب کی تدوین کے اصول تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔

مرحلہ اول: استفتا کی وصولی و مسئلے کی سمجھ (تصوّرِ مسئلہ)

پہلا مرحلہ سائل کے سوال کو سننا اور اسے مکمل و درست طور پر سمجھنا ہے۔ فقہی قاعدہ ہے کہ حکم فرع ہے تصوّر کا، یعنی کسی مسئلے کا صحیح حکم اسی وقت لگایا جا سکتا ہے جب اس کی پوری صورت واضح ہو۔ اس مرحلے میں مفتی یہ امور ملاحظہ کرتا ہے: سوال کس واقعے سے متعلق ہے، اس میں کون کون فریق ہیں، وقت، جگہ اور حالات کیا ہیں، اور آیا سوال فرضی ہے یا حقیقی واقعہ۔ اگر استفتا ناقص یا مبہم ہو تو مفتی وضاحتی سوالات کرتا ہے یا سائل سے مزید تفصیلات طلب کرتا ہے؛ بالخصوص نکاح، طلاق، میراث اور مالی معاملات میں چھوٹی سی تفصیل حکم بدل دیتی ہے۔ ادارہ جاتی افتا میں اس مرحلے کے لیے باقاعدہ استفتا فارم اور فائل سازی کا نظام موجود ہوتا ہے تاکہ اصل مواد محفوظ رہے۔

مرحلہ دوم: تحدید و تکییف (مسئلے کی فقہی تعیین)

دوسرا مرحلہ مسئلے کی فقہی تکییف کا ہے، یعنی یہ طے کرنا کہ یہ واقعہ فقہ کے کس باب اور کس عنوان کے تحت آتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مالی تنازع بیع ہے یا اجارہ، کوئی معاہدہ شرکت ہے یا مضاربت؛ جیسے ہی درست عنوان متعین ہو جاتا ہے، متعلقہ شرائط و ارکان اور پھر حکم خود بخود واضح ہونے لگتا ہے۔ اس مرحلے میں مفتی نئے مسائل کو اصول پر قیاس کرنے کی صلاحیت استعمال کرتا ہے، کیونکہ آج کے بینکاری، انشورنس، ڈیجیٹل لین دین اور طبی مسائل کی صورتیں قدیم کتب میں انہی الفاظ میں موجود نہیں ہوتیں؛ ان

کی حقیقت کو سمجھ کر قدیم عناوین سے جوڑنا ہی تکییف ہے۔ غلط تکییف غلط حکم تک لے جاتی ہے، اسی لیے اس مرحلے میں ماہرینِ فن (مثلاً معاشیات یا طب کے ماہرین) سے بھی مشاورت کی جاسکتی ہے جہاں واقعہ کی فنی حقیقت سمجھنا مقصود ہو۔

مرحلہ سوم: دلائل و مراجع کی تلاش و ترجیح

تیسرا مرحلہ دلائل کی تلاش کا ہے۔ مفتی قرآن و سنت کے نصوص، اجماع، اپنے فقہی مکتب کی معتمد کتب، متقدمین کے فتاویٰ اور متعلقہ اصول و قواعد کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس مرحلے میں وہ مختلف اقوال کا موازنہ کرتا ہے، اپنے مکتب کے مفتی بہ قول کی نشاندہی کرتا ہے، اور اگر مسئلہ جدید یا متنازع ہو تو اجتماعی تحقیق اور فقہی مجامع کی تحقیقات سے بھی رجوع کرتا ہے۔ یہاں دو اصول ہمیشہ پیشِ نظر رہتے ہیں: ایک یہ کہ فتویٰ خواہش سے نہیں دلیل سے نکلتا ہے، اور دوسرا یہ کہ جہاں مکمل یقین میسر نہ ہو وہاں احتیاط اور غور و فکر کو ترک نہیں کیا جاتا۔ اہلِ فن دارالافتاؤں میں اس مرحلے کے لیے لائبریری، ڈیجیٹل کتب خانے اور مستقل تحقیقی عملہ مہیا ہوتا ہے، اور مشکل مسائل کو استادِ دارالافتاء یا سینئر مفتیان کی مجلس میں پیش کیا جاتا ہے۔

مرحلہ چہارم: جواب کی تدوین

چوتھا مرحلہ جواب کی تدوین یعنی تحریری صورت میں فتویٰ لکھنا ہے۔ تدوین کے اصولوں میں پہلا اصول وضاحت و اختصار کا توازن ہے: جواب اتنا واضح ہو کہ سائل کو شبہ نہ رہے اور اتنا جامع کہ اصل حکم و اس کی شرائط آ جائیں۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جواب سائل کے سوال کے مطابق ہو، نہ غیر متعلقہ تفصیلات بیان کی جائیں اور نہ مطلوبہ بات رہ جائے۔ تیسرا اصول دلائل یا مآخذ کی طرف اشارہ ہے، خاص طور پر اہم و حساس مسائل میں حوالہ دینا فتویٰ کی وقعت بڑھاتا ہے۔ چوتھا اصول حساس مسائل میں نرمی و حکمت ہے، کہ لفظوں سے فریقین کے جذبات مجروح نہ ہوں۔ تحریری فتویٰ میں روایتی ترتیب یہ رہی ہے کہ آغاز حمد و صلاۃ یا ’الجواب‘ سے ہوتا ہے، پھر حکم، شرائط، اور آخر میں ’واللہ اعلم بالصواب‘ لکھا جاتا ہے، ساتھ مفتی کے دستخط و مہر سے اس کی نسبت پختہ ہوتی ہے۔

مرحلہ پنجم: نظر ثانی، تصدیق واجرا

پانچواں مرحلہ اجراء سے پہلے کی نظر ثانی و تصدیق ہے۔ بڑے دارالافتاؤں میں یہ نظام عام ہے کہ لکھا گیا فتویٰ دوسرے مفتی یا استاد کے سامنے پیش کیا جاتا ہے (تصدیق / تصویب)، تاکہ کوتاہی یا سہو دور ہو جائے۔ اس کے بعد فتویٰ رجسٹر میں درج کر کے سائل کو باقاعدہ بھیجا یا چسپاں بورڈ / آن لائن نظام کے ذریعے فراہم کیا جاتا ہے؛ یہی 'اجرا' کا مرحلہ ہے جس میں درست سائل تک، پورے متن کے ساتھ اور بروقت فراہمی یقینی بنائی جاتی ہے۔ اجرا کے بعد بھی فتویٰ کا عمل بحیثیتِ دستاویز محفوظ رہتا ہے تاکہ دوبارہ رجوع، ترمیم یا رجوع عن الفتویٰ کی صورت پیدا ہو تو پس منظر دستیاب ہو۔ اس دستاویزی نظام نے فتویٰ کو ذاتی رائے سے نکال کر ادارہ جاتی ذمہ داری میں بدل دیا ہے۔

مسئلے کی درست تفہیم کے اصول

درست تفہیم کے اصولوں کا خلاصہ یہ ہے: (1) سائل کی بات پوری اور بغیر پہلے سے نتیجہ متعین کیے سنی جائے؛ (2) سوال میں موجود اصطلاحات کا مفہوم سائل کے عرف کے مطابق سمجھا جائے، کیونکہ الفاظ کے معنی عرف سے بدل جاتے ہیں؛ (3) واقعے کی مقامی عادات و رسوم کا لحاظ کیا جائے، فقہی اصول 'العادۃ محکمۃ' اسی کا اعلان ہے؛ (4) فرضی و گھڑی ہوئی صورتوں میں جواب دیتے وقت اس قید کا ذکر کیا جائے کہ فتویٰ بیان کردہ صورت کے مطابق ہے؛ (5) اگر سائل کے بیان میں تضاد یا ابہام ہو تو جواب مؤخر کر کے وضاحت لی جائے۔ ان اصولوں کے بغیر بہترین دلائل بھی غلط سمت میں لگ سکتے ہیں، کیونکہ حکم ہمیشہ واقعے کی تصویر کا تابع ہوتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ فتویٰ کی تیاری استفتا کی وصولی و تصورِ مسئلہ، فقہی تکییف، دلائل کی تلاش و ترجیح، جواب کی تدوین اور تصدیق و اجرا کے پانچ مراحل پر مشتمل ایک منظم علمی عمل ہے۔ مسئلے کی درست تفہیم اس عمل کی بنیاد اور جواب کی تدوین کے اصول اس کی حسنِ صورت ہیں۔ جس فتویٰ میں یہ مراحل ڈھل جائیں وہی قابلِ اعتماد ہوتا ہے؛ اور عجلت میں دیا گیا سطحی جواب اسی لیے فقہی روایت میں ہمیشہ ناپسندیدہ رہا ہے۔

سوال نمبر 2: فقہا و مفتیان کے طبقات و مراتب — ضرورت، مناہج اور عملی اثرات

سوال نمبر 2۔ فقہا اور مفتیان کے طبقات و مراتب کی تقسیم کس علمی ضرورت کے تحت کی گئی؟ مختلف فقہی مکاتب کے مناہج کی روشنی میں اس تقسیم کے عملی اثرات واضح کیجیے۔

(20)

تمہید

فقہ و افتا کی تاریخ میں ایک دلچسپ و اہم باب 'طبقاتِ فقہا' کا ہے۔ جیسے ہی فقہی ذخیرہ وسیع ہوا اور ائمہ و مجتہدین کے مراتب مختلف ہوئے، علماء کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ فقہا کا ایک درجہ بندی نظام مرتب کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کس فقیہ کے قول کو کس حد تک وزن دیا جائے، کون اجتہادِ مطلق کا اہل ہے، کون اپنے مذہب کے اندر اجتہاد کرتا ہے اور کون صرف نقل و ترجیح کا کام کرتا ہے۔ یہ تقسیم سب سے منظم صورت میں حنفی مکتب میں سامنے آئی، اور ابن کمال پاشا کی ترتیب کو اس سلسلے میں شہرت حاصل ہوئی۔ اس جواب میں پہلے اس تقسیم کی علمی ضرورت، پھر اس کا خاکہ، پھر مختلف مکاتب کے مناہج کے فرق اور آخر میں عملی اثرات بیان کیے جاتے ہیں۔

تقسیم کی علمی ضرورت

اس تقسیم کی ضرورت کئی اسباب سے پیدا ہوئی۔ پہلا سبب کثرتِ اقوال تھا: ہر مکتب میں بے شمار اقوال و روایات جمع ہو گئی تھیں؛ مفتی کے لیے یہ رہنمائی ضروری تھی کہ تعارض کی صورت میں کس کی رائے مقدم رکھی جائے۔ دوسرا سبب اہلیت کا تحفظ تھا: ہر لکھنے پڑھنے والا خود کو مجتہد سمجھ کر فتویٰ دینے لگے تو نظام درہم برہم ہو جاتا، لہٰذا مراتب طے کر کے اجتہاد کا دروازہ اہلیت کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ تیسرا سبب تعلیم و تدریس کی ترتیب تھا: طالبِ علم کو معلوم ہو کہ کس درجے کی کتب سے ابتدا کرے اور کن کتب کو 'قولِ معتبر' کا درجہ حاصل ہے۔ چوتھا سبب عوام کی رہنمائی تھی: عام آدمی کے لیے یہ اطمینان پیدا ہوا کہ اس کا مفتی اس درجے کے علماء کی پیروی کر رہا ہے جن کی ترجیحات آزمودہ ہیں۔ پانچواں سبب یہ بھی تھا کہ ہر دور کے نئے مسائل پر غور کرنے والوں کی اہلیت متعین ہو، یعنی کسے نئے مسئلے میں مسئلہ گھڑنے (تخریج) کا حق ہے اور کسے صرف قدیم مسائل کی تطبیق (تطبیق و انتخاب) تک محدود رہنا ہے۔

طبقات کا خاکہ

جدول: فقہا و مفتیان کی طبقات بندی (مشہور حنفی ترتیب کے مطابق)

کارِ منصبی	لقب / وصف	درجہ
کتاب و سنت سے براہِ راست اصول و فروع کا استنباط، مثلاً ائمہ اربعہ	مجتہد فی الشرع (مطلق)	1
امام کے اصولوں کے اندر رہ کر نئے مسائل کا استنباط	مجتہد فی المذہب	2
جن مسائل میں امام سے قول نہ ہو ان میں تخریج	مجتہد فی المسائل	3
مجمل اقوال کی تفصیل و علت کی استخراج	اصحابِ تخریج	4
متعارض اقوال میں راجح کی تعیین	اصحابِ ترجیح	5
قوی و ضعیف اقوال کی پہچان	اصحابِ تمییز	6
معتبر اقوال کی نقل و افتا بہ نقل	مقلدینِ محض (ناقلین)	7

یہ ترتیب ہر مکتب میں بعینہٖ اسی ناموں کے ساتھ نہیں پائی جاتی، مگر مراتب کا تصور ہر جگہ موجود ہے۔ شافعی مکتب میں صاحبِ الوجوہ، اصحابِ التخریج اور ناقلین کی اصطلاحات چلتی ہیں؛ مالکی مکتب میں مجتہدِ منتسب اور اصحابِ التراجیح کا ذکر ہوتا ہے؛ حنبلی مکتب میں ابن تیمیہ و ابن قیم جیسے محققین نے توسیعی اجتہاد کی مثالیں بھی قائم کیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے ’عقد الجید‘ اور دیگر تصانیف میں طبقات و تقلید کے درجات پر نہایت مؤثر بحث کی ہے اور درمیانی راہ کی تلقین کی ہے۔ اس تقسیم کا مقصد شخصی تقدس نہیں بلکہ علمی نظام کی ترتیب تھی: جس طرح جدید نظام میں پروفیسر، محقق اور طالبِ علم کے درجات ہوتے ہیں، اسی طرح فقہی نظام میں ہر درجے کی ذمہ داری الگ مقرر ہوئی۔

مختلف مکاتب کے مناہج کی روشنی

طبقات کی تقسیم کا انداز ہر مکتب کے منہج سے اثر پذیر ہوا۔ حنفی منہج اصولی و قیاسی ترتیب پر مبنی رہا، اس لیے یہاں تقسیم سب سے مفصل صورت میں ملی اور کتبِ فتاویٰ میں 'قولِ مختار' و 'مفتی بہ' کے نظام نے اسی تقسیم کو عملی شکل دی۔ شافعی منہج نصوص و احادیث کی تطبیق کو اولیت دیتا ہے، اس لیے وہاں راویِ حدیث فقہا اور محدثین کی سطح بھی مراتب میں نمایاں رہی۔ مالکی منہج میں عملِ اہلِ مدینہ اور مصالح کی رعایت کی وجہ سے مقامی مشائخ کی طبقات بندی نے الگ رنگ اختیار کیا۔ حنبلی منہج میں نص کی ظاہری پیروی کی روایت نے تقسیم کو نسبتاً مختصر رکھا اور محققین کے انفرادی اجتہاد کی مثالیں بھی برقرار رہیں۔ ان متنوع مناہج کے باوجود مشترک بات یہ رہی کہ ہر مکتب نے 'ہر کس' کے فتویٰ کو قبول نہیں کیا بلکہ اہلیت و درجے کی پابندی لگائی۔

عملی اثرات

اس تقسیم کے عملی اثرات فقہ و افتا کی پوری تاریخ پر مرتب ہوئے۔ پہلا اثر معیار بندی کا ہوا: مفتی جانتا ہے کہ اسے کس درجے کی کتب و اقوال سے فتویٰ دینا ہے، اس لیے فتویٰ میں انتشار کم ہوا۔ دوسرا اثر یہ کہ 'مفتی بہ قول' کا تصور پیدا ہوا، جس سے عوام و عدالتوں کو پیش گوئی کے قابل یکساں جوابات ملنے لگے۔ تیسرا اثر تعلیمی ہوا: نصابات میں کتب کا درجہ متعین ہوا، مختصرات متأخرین کے لیے اور مبسوطات محققین کے لیے مخصوص ہوئیں۔ چوتھا اثر خود احتسابی کا ہوا: نچلے درجے کا مفتی اونچے درجے کے کام (مثلاً اجتہادِ مطلق کے دعوے) سے رک گیا اور نظامِ افتا میں تواضع و نظام برقرار رہا۔ تنقیدی پہلو یہ ہے کہ بعض ادوار میں یہ تقسیم حد سے زیادہ سخت ہو گئی، جس سے اجتہاد کی حوصلہ شکنی اور جدید مسائل میں سستی پیدا ہوئی؛ اسی لیے شاہ ولی اللہ اور بعد کے محققین نے اس بات پر زور دیا کہ تقسیم نظام کے لیے ہے، صلاحیت کی قید نہیں، اور اہلیت رکھنے والے کو اصولوں کے اندر غور کی گنجائش باقی رہنی چاہیے۔ پانچواں اثر اجتماعی افتا کے موجودہ نظام کی صورت میں ظاہر ہے، جہاں فقہی مجامع میں درجہ بہ درجہ اہلیت کے افراد شریک ہو کر اجتماعی ترجیحات طے کرتے ہیں۔

اس بحث کا ایک اضافی پہلو یہ بھی ہے کہ طبقات کی یہ تقسیم مصنفین و کتب کی درجہ بندی سے بھی جڑی ہوئی ہے: ہر طبقے کے فقہا کی کتب کو اسی درجے کا اعتبار حاصل ہوا، چنانچہ متأخر مصنف کے لیے لازم قرار پایا کہ وہ اپنے سے اوپر کے طبقے کی معتمد کتب سے نقل کرے اور ان کے مخالف اپنا نیا قول ایجاد نہ کرے۔ اسی سے ’متون، شروح و فتاویٰ‘ کی معروف حنفی درجہ بندی بھی سمجھ میں آتی ہے جس میں پہلے متون کو، پھر شروح کو اور پھر فتاویٰ کو حجت مانا جاتا ہے۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ فقہا و مفتیان کے طبقات کی تقسیم کثرتِ اقوال، اہلیت کے تحفظ، تعلیم و ترتیب اور عوام کی رہنمائی جیسی حقیقی علمی ضرورتوں کے تحت کی گئی تھی۔ مختلف مکاتب نے اپنے اپنے منہج کے مطابق اس تقسیم کو رنگ دیا، اور اس کے اثرات فتویٰ کی معیار بندی، مفتی بہ اقوال کے تعین اور تعلیمی نظام کی صورت میں صدیوں تک قائم رہے۔ آج کی ضرورت یہ ہے کہ اس تقسیم کی روح — اہلیت کا احترام اور نظام کی پابندی — قائم رکھتے ہوئے جامد درجہ بندی کو جدید تحقیق کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔

سوال نمبر 3: مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ — ساخت، موضوعاتی وسعت اور فقہی منہج

سوال نمبر 3۔ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ساخت، موضوعاتی وسعت اور فقہی منہج کا تعارف پیش کیجیے۔ (20)

تمہید و پس منظر

شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (661ھ–728ھ) آٹھویں صدی ہجری کے ان چند علماء میں سے ہیں جن کے علمی اثرات آج تک محسوس کیے جاتے ہیں۔ ان کی تحریروں و فتاویٰ کا عظیم ذخیرہ ’مجموع الفتاویٰ‘ کے نام سے شائع ہوا جو عام طور پر سینتیس (37) جلدوں میں مطبوع ہے۔ اس مجموعے کی جدید معروف ترتیب و جمع شیخ عبد الرحمن بن قاسم اور ان کے فرزند شیخ محمد بن عبد الرحمن بن قاسم نے بیسویں صدی عیسوی میں انجام دی اور یہ سعودی عرب سے شائع ہو کر دنیا بھر میں پھیلا۔ یہ کوئی ایک

نشست میں لکھی گئی کتاب نہیں بلکہ مختلف مقامات و اوقات میں سوالات کے جوابات، رسائل اور استدلالی مقالات کا مجموعہ ہے، اسی لیے اسے فقہ کے ساتھ عقائد، تفسیر، حدیث، اصول اور ردّ و مناظرے کا انسائیکلوپیڈک ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس جواب میں اس کی ساخت، موضوعاتی وسعت اور فقہی منہج کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ساخت و ترتیب

مجموع الفتاویٰ کی ترتیب موضوعاتی ہے۔ ابتدائی جلدیں عقائد و توحید سے متعلق ہیں جن میں اسماء و صفات، ایمان، قضا و قدر اور فرقوں پر رد جیسے مباحث شامل ہیں۔ اس کے بعد فلسفہ و منطق پر تنقید، تفسیر و اصولِ تفسیر، حدیث و اصولِ حدیث کے ابواب آتے ہیں۔ فقہی حصہ متعدد جلدوں پر پھیلا ہوا ہے جو طہارت، نماز، زکاۃ، صوم، حج، نکاح و طلاق، بیوع اور دیگر ابواب پر مشتمل ہے اور روایتی فقہی ترتیب سے کافی حد تک ہم آہنگ ہے۔ آخری جلدوں میں تصوف، اخلاق، سیاستِ شرعیہ اور معاشرتی امور پر تحریریں ہیں۔ ہر بحث عام طور پر یا تو کسی استفتا کے جواب میں ہے یا کسی رسالے کی صورت میں؛ سوال عموماً شروع میں ذکر ہوتا ہے اور پھر مفصل جواب آتا ہے جس میں دلائل، مخالف آراء اور ان کا جائزہ شامل ہوتا ہے۔ یہ تدوین و ترتیب چونکہ مؤلف کی بجائے بعد کے محققین نے انجام دی، اس لیے کہیں کہیں تکرار اور مختلف زمانوں کی تحریروں کا یکجا ہونا نظر آتا ہے، جس کا اعتراف خود محققین نے مقدموں میں کیا ہے۔

موضوعاتی وسعت

اس مجموعے کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی وسعت ہے: عقائد و فقہ کے ساتھ ساتھ فلسفہ، منطق، یہود و نصاریٰ اور مختلف فرقوں پر رد، قرآن کی تفسیر و قراءات، حدیث کی شرح و نقد، اور سیاسی و معاشرتی مسائل اس میں شامل ہیں۔ فقہی موضوعات میں صرف روایتی ابواب ہی نہیں بلکہ اپنے دور کے نئے مسائل بھی ملتے ہیں — مغولوں (تاتاریوں) کے حملوں کے تناظر میں جہاد و قتال کے مسائل، مال و معیشت کے مسائل، اوقاف، حسبہ (امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام) اور عبادات کی بہت سی جزئیات پر ان کی تحقیقات اہلِ علم کے ہاں مرجع بن گئیں۔ عبادات کے بعض مسائل میں ان کے اختیارات (مثلاً سفر میں جمع و قصر، طلاق کے بعض مسائل) بعد کی صدیوں میں بحث کا

مرکز بھی رہے اور کئی محققین نے انہیں اختیار کیا۔ بعض موضوعات میں ان کے اقوال پر دوسرے مکاتب کے علماء نے تنقید بھی کی ہے، اور یہی علمی مکالمہ اس کتاب کی زندگی کی دلیل ہے۔

فقہی منہج

ابن تیمیہ کا فقہی منہج چند اصولوں سے عبارت ہے۔ پہلا اصول کتاب و سنت کی اولیت ہے: وہ اس بات کے قائل تھے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں کوئی قول حجت نہیں بن سکتا، اسی لیے ان کے فتاویٰ میں آیات و احادیث سے براہِ راست استدلال کثرت سے ملتا ہے۔ دوسرا اصول آثارِ صحابہ و سلف کی اہمیت ہے: وہ سلف کے فہم کو حجت مانتے تھے اور بعد کی اختراعات پر سخت تنقید کرتے تھے۔ تیسرا اصول تقلید سے آزاد علمی تحقیق ہے: یوں تو ان کا پس منظر حنبلی تھا اور وہ اسی نسبت سے معروف ہیں، مگر ان کے ہاں موضوع دراصل دلیل کی قوت ہے، اس لیے کئی مسائل میں انہوں نے دوسرے ائمہ کے اقوال بھی اختیار کیے اور حنبلی مذہب کے مشہور قول سے اختلاف بھی کیا۔ چوتھا اصول مقاصد و مصالح کا لحاظ ہے: احکامات کی علت و حکمت کی بحث ان کے استدلال کا اہم حصہ ہے اور 'السیاسۃ الشرعیہ' اسی منہج کی نمائندہ کتاب ہے۔ پانچواں اصول اختلاف میں اعتدال کی دعوت ہے: وہ اجتہادی اختلاف میں مخالف پر سختی کے قائل نہیں تھے اور اجتہاد و تقلید کی حدود کی بحث میں ان کے اقوال ابن قیم نے 'اعلام الموقعین' میں جمع کر دیے۔ اس منہج کے اثرات یہ ہوئے کہ بعد کے کئی اہلِ علم — خواہ وہ اہلِ حدیث ہوں یا دیگر مکاتب کے محققین — انہیں اپنے مطالعے میں شامل کرتے ہیں، جبکہ ان کے بعض اختیارات پر روایتی مکاتب کی تنقید بھی علمی تاریخ کا حصہ ہے۔

تعلیمی و علمی اہمیت

مطالعۂ افتا کے طالبِ علم کے لیے مجموع الفتاویٰ کی اہمیت اس میں ہے کہ یہ اسے دکھاتا ہے کہ ایک محقق مفتی کس طرح سوال کی تصویر بناتا ہے، نصوص جمع کرتا ہے، اختلافات کا محاسبہ کرتا ہے اور پھر راجح نتیجے تک پہنچتا ہے۔ یہ کتاب خشک جوابات کا مجموعہ نہیں بلکہ منہجِ تحقیق کی عملی تربیت گاہ ہے۔ ساتھ یہ تنبیہ بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کے ہر

قول کو اٹھا کر عمومی فتویٰ بنالینا اس کے اپنے منہج کے خلاف ہے، کیونکہ خود ابن تیمیہ فتویٰ کو سائل کے احوال و عرف کے ساتھ منسلک رکھنے کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں کے لیے بھی اصول یہی بتایا جاتا ہے کہ ذاتی مسائل میں مقامی مستند اہلِ علم سے رجوع کریں۔

نتیجہ

نتیجتاً مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سینتیس جلدوں پر پھیلا وہ جامع مجموعہ ہے جس کی ساخت موضوعاتی، موضوعات عقائد سے فقہ و سیاست تک وسیع اور منہج کتاب و سنت کی اولیت، آثارِ سلف کی پیروی، تقلید سے بلند تحقیقی آزادی اور مقاصد کے لحاظ پر قائم ہے۔ فتاویٰ کی تاریخ میں اس کتاب کو یہ مقام حاصل ہے کہ اس نے فتویٰ کو محض نقل کے بجائے دلیل و تحقیق کی بنیاد پر کھڑا کرنے کی عظیم مثال قائم کی، اور اس کے اثرات آج کے اجتماعی و تحقیقی افتا میں بھی نظر آتے ہیں۔

سوال نمبر 4: دار الافتاء المصریہ اور یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق — تقابلی جائزہ

سوال نمبر 4۔ دار الافتاء المصریہ اور یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق کی علمی خدمات کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔ (20)

تمہید

جدید دور میں افتا کے دو عظیم ادارہ جاتی تجربے مصر کا دار الافتاء المصریہ اور یورپ میں مسلم اقلیتوں کے لیے قائم یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق (European Council for Fatwa and Research) ہیں۔ اوّل الذکر ایک صدی سے زائد پرانا سرکاری ادارہ ہے جو اکثریتی مسلم ملک میں کام کرتا ہے؛ ثانی الذکر ایک اجتماعی علمی کونسل ہے جو انیس سو نوّے کی دہائی کے آخر (1997ء) میں اقلیتی مسلمانوں کے مسائل کے لیے وجود میں آئی۔ دونوں کا بنیادی کام ایک ہے — شرعی رہنمائی کی فراہمی — مگر ان کے ماحول، مقاصد اور مناہج میں فرق ان کے فتاویٰ کے رنگ پر صاف نظر آتا ہے۔ اس جواب میں دونوں کا تعارف، خدمات اور پھر تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

دارالافتاء المصریہ: تعارف وخدمات

دار الافتاء المصریہ کی باقاعدہ تاسیس 1895ء میں قاہرہ میں ہوئی اور یہ ادارہ مصر کے مفتیِ اعظم (مفتی الدیار المصریہ) کی سربراہی میں کام کرتا ہے۔ یہ مصر کی سب سے قدیم سرکاری دینی عدالت / اداروں میں سے ہے جسے قانوناً فتویٰ اور بعض قانونی معاملات (مثلاً سزائے موت کے مقدمات میں شرعی رائے کے لیے عدالتوں کی طرف سے رجوع) کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس کی علمی خدمات میں شامل ہیں: لاکھوں استفسارات کا تحریری وزبانی جواب اور ان کا وسیع دستاویزی ریکارڈ؛ فتاویٰ کے منتخب مجموعوں کی اشاعت؛ جدید مسائل (بینک کاری، طبی اخلاقیات، مصنوعی ذہانت وغیرہ) پر تحقیقی جرائد و کانفرنسیں۔ بین الاقوامی سطح پر سیکرٹریٹ آف فتوا اتھارٹیز (امانۃ الفتوی العالمیۃ) جیسے پلیٹ فارم کے ذریعے عالمی دارالافتاؤں کو جوڑنے کی کوشش؛ اور ٹیلیفون، ویب سائٹ و سوشل میڈیا کے ذریعے عوامی استفتا کی سہولت۔ منہج کے اعتبار سے ادارہ عام طور پر چاروں فقہی مکاتب سے استفادے، اجتماعی غور اور مقاصدِ شریعت کے لحاظ کی پالیسی اختیار کرتا ہے اور اپنے فتاویٰ اسی توازن کے ساتھ جاری کرتا ہے۔

یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق: تعارف وخدمات

یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق 1997ء میں ڈبلن (آئرلینڈ) میں قائم ہوئی، جس کے نمایاں بانیوں اور رہنماؤں میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی (رحمہ اللہ) شامل تھے جو اس کے طویل عرصے تک صدر رہے۔ کونسل مختلف یورپی ممالک سے تعلق رکھنے والے علماء ومفتیوں کی اجتماعی مجلس ہے جو سالانہ اجلاسوں میں اقلیتی مسلمانوں کے پیش آمدہ مسائل پر اجتماعی غور کر کے قراردادیں و فتاویٰ جاری کرتی ہے۔ اس کی نمایاں خدمات یہ ہیں: 'فقہِ اقلیات' (فقہ الاقلیات) کے تصور کی علمی بنیادیں فراہم کرنا؛ عبادات و معاملات میں یورپی ماحول کے مسائل — نماز و روزے کے اوقات، بینک و رہن (mortgage) کے مباحث، حلال غذا، بین المذاہب تعلقات، شہریت و سماجی شمولیت — پر تحقیقی فیصلے؛ قرآنی و شرعی رہنمائی کی اشاعت و تراجم؛ اور نئے مسلمانوں و نوجوان نسل کے لیے اعتدال پسند دینی رہنمائی کے ذریعے شدت پسندی کا مقابلہ۔ کونسل کا منہج اجتماعی اجتہاد، مختلف مکاتب سے استفادہ اور عرف واحوال کے لحاظ پر مبنی ہے۔

تقابلی جائزہ

جدول: دونوں اداروں کا تقابلی خلاصہ

پہلو	دار الافتاء المصریہ	یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق
قیام و حیثیت	1895ء، مصری ریاست کا سرکاری ادارہ	1997ء، غیر سرکاری اجتماعی علمی کونسل
سربراہی / قیادت	مفتی الدیار المصریہ (سرکاری تقرر)	منتخب علماء کی مجلس، اجتماعی فیصلہ سازی
مخاطب طبقہ	مسلم اکثریتی معاشرہ اور ریاستی ادارے	یورپ کی مسلم اقلیتیں
قانونی پوزیشن	بعض عدالتی معاملات میں رائے قانونی اہمیت رکھتی ہے	رائے اخلاقی و علمی، قانونی طور پر غیر پابند
منہجی رنگ	اکثریتی معاشرے کے استحکام و مقاصد کا لحاظ	فقہِ اقلیات، رفعِ حرج و تیسیر کی اولیت

مشترکات یہ ہیں کہ دونوں اجتماعی غور کو انفرادی فتویٰ پر ترجیح دیتے ہیں، دونوں جدید مسائل پر ماہرین سے مشاورت کرتے ہیں، دونوں کے فتاویٰ چاروں مکاتب کے ذخیرے سے استفادہ کر سکتے ہیں، اور دونوں جدید ذرائع ابلاغ سے عوام تک پہنچتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دار الافتاء المصریہ اہلِ اقتدار و قانون سے جڑا ادارہ ہے اس لیے اس کے فتاویٰ سماجی استحکام اور ریاستی نظم کے حوالے سے زیادہ محتاط و رسمی لہجہ رکھتے ہیں جبکہ کونسل کا دارومدار علمی و اخلاقی وزن پر ہے، اس کے فیصلے اقلیت کے عملی مسائل میں سہولت و بقا کے پہلو کو زیادہ نمایاں رکھتے ہیں۔ دونوں پر تنقید بھی الگ الگ نوعیت کی ہوتی ہے: سرکاری ادارے پر کبھی سیاسی دباؤ کا الزام لگایا جاتا ہے، جبکہ کونسل کے بعض فیصلوں پر روایتی علماء ’حد سے زیادہ تیسیر‘ کی تنقید کرتے ہیں۔ متوازن جائزہ یہ ہے کہ دونوں ادارے اپنے اپنے ماحول میں افتا کو انفرادی عمل سے نکال کر منظم، مشاورتی اور دستاویزی نظام میں بدلنے کے تجربے ہیں، اور یہی جدید افتا کی سب سے بڑی مشترکہ کامیابی ہے۔

جدید خدمات، اشاعت و عوامی رسائی

دونوں اداروں کی ایک اہم مشترکہ خدمت عوام تک سادہ و مستند دینی رہنمائی پہنچانا ہے۔ دار الافتاء المصریہ نے اپنے فتاویٰ کا وسیع ڈیجیٹل ذخیرہ (آرکائیو) مرتب کیا ہے جس میں تاریخی فتاویٰ موضوع کے اعتبار سے تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ ادارہ 'دار الإفتاء' کے جرائد، سالانہ فتاویٰ جائزے اور بین الاقوامی کانفرنسوں کے مقالات شائع کرتا ہے۔ یورپین کونسل نے بھی اپنے اجلاسوں کے فیصلوں و قراردادوں کو کتابچوں کی صورت میں یورپی زبانوں کے تراجم کے ساتھ شائع کیا ہے تاکہ وہ مسلمان جو عربی نہیں جانتے وہ بھی مستفید ہو سکیں۔ تربیت کے شعبے میں دونوں ادارے نوجوان مفتیوں کے لیے ورکشاپس اور کورسز کا اہتمام کرتے ہیں، اور میڈیا کے ذریعے غلط فہمیوں کی اصلاح اور اعتدال کے فروغ کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس پہلو سے دونوں کی خدمات صرف جواب دینے تک محدود نہیں رہیں بلکہ علمی ماحول سازی تک پھیل گئی ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ دار الافتاء المصریہ اور یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق دونوں جدید دور کے نمائندہ ادارے ہیں: ایک اکثریت کے ملک کی سرکاری روایت کا امین ہے اور دوسرا اقلیت کے فقہ کی اجتماعی تلاش کا۔ طالبِ علم کے لیے اہم سبق یہ ہے کہ فتویٰ کا منہج ماحول و مخاطب سے متاثر ہوتا ہے؛ اس لیے ایک ہی مسئلے میں دونوں اداروں کے جوابات کا فرق بعض اوقات اصولوں کا نہیں، احوال و عرف کے اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے — اور یہی سمجھ اصولِ افتا کے اس کورس کا اصل حاصل ہے۔

سوال نمبر 5: اجتہاد و تقلید — حدود، شرائط اور اہمیت

سوال نمبر 5۔ اجتہاد اور تقلید کی حدود و شرائط اور اہمیت واضح کیجیے۔ (20)

تمہید

اجتہاد اور تقلید فقہ و افتا کے دو بنیادی ستون ہیں۔ اجتہاد سے شریعت ہر دور کے نئے مسائل کا جواب دیتی ہے اور تقلید سے عوام و اہلِ علم کا نظام استحکام پاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان توازن ہی امت کی فقہی تاریخ کی اصل کہانی ہے: جب اجتہاد کو اس کی شرائط سے آزاد کر دیا جائے تو انتشار پیدا ہوتا ہے، اور جب تقلید جامد ہو جائے تو جدید مسائل کے جواب میں سستی آ جاتی ہے۔ اس جواب میں پہلے دونوں اصطلاحات کے معنی، پھر اجتہاد کی حدود و شرائط، پھر تقلید کی حدود و شرائط اور آخر میں دونوں کی باہمی اہمیت واضح کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ بحث تعلیمی و اصولی ہے؛ کسی مخصوص مسئلے میں عملی حکم ہمیشہ مستند اہلِ علم سے لیا جاتا ہے۔

اجتہاد: معنی و حدود

اجتہاد کا لغوی معنی کسی مقصد کے لیے پوری کوشش و جہد کرنا ہے۔ اصطلاحاً مجتہد کا شرعی ظنی مسائل میں دلائلِ شرعیہ سے حکم استخراج کرنے کے لیے اپنی پوری فکری صلاحیت صرف کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ اجتہاد کی پہلی حد یہ ہے کہ اس کا میدان ظنی و اجتہادی مسائل ہیں؛ قطعی احکام — جیسے نماز کی فرضیت، شراب کی حرمت یا نصوصِ قطعیہ سے ثابت شدہ احکام — میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، یہ امور اجتہاد کے دائرے سے باہر ہیں۔ دوسری حد یہ ہے کہ اجتہاد اجتماعی بھی ہو سکتا ہے اور انفرادی بھی، مگر اس کا اہل وہی ہے جو شرائط پوری کرتا ہو۔ تیسری حد یہ ہے کہ اجتہادِ منتسب (کسی مذہب کے اصولوں کے اندر رہ کر) اور اجتہادِ مطلق میں درجے کا فرق ہے، اور ہر دور میں اجتہاد کی مطلوب صورت کا تعین علمی مجلسوں کا کام ہے۔ چوتھی یہ کہ اجتہاد کا نتیجہ خود شریعت نہیں بن جاتا؛ وہ مجتہد کی رائے ہے جو خطا کا احتمال رکھتی ہے، اسی لیے اجتہادی اختلاف میں وسعت و تحمل فقہی روایت کا حسن ہے۔

اجتہاد کی شرائط

اصولِ فقہ کی کتب میں مجتہد کی شرائط یہ بیان کی گئی ہیں: قرآن مجید کے احکام سے متعلق آیات و ان کے علوم سے واقفیت؛ سنت و حدیث، خصوصاً احکام کی احادیث، ان کے رجال و علل کی مبادیاتی سمجھ؛ اجماع کے مواقع کی معرفت تاکہ کسی طے شدہ مسئلے میں دوبارہ کوشش نہ ہو؛ قیاس و استدلال کے اصول یعنی اصولِ فقہ پر عبور؛ عربی زبان پر اس

درجے کی قدرت کہ نصوص کا فہم ممکن ہو؛ مقاصدِ شریعت کی آگاہی؛ اور ان سب کے ساتھ عقل و بلوغ، اسلام اور تقویٰ و عدالت۔ عصرِ حاضر میں اجتماعی اجتہاد نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جدید علوم (طب، معاشیات، ٹیکنالوجی) کے ماہرین کی معاونت بھی عملاً ایک شرط بن گئی ہے، کیونکہ مسئلے کی حقیقت جانے بغیر حکم لگانا اصول کے خلاف ہے۔

یہ شرائط ہی وہ دروازہ ہیں جو اجتہاد کو انارکی سے بچاتے ہیں۔

تقلید: معنی، حدود و شرائط

تقلید کا لغوی معنی کسی کے گلے میں قلادہ ڈالنا یعنی اس کی پیروی کرنا ہے۔ اصطلاحاً تقلید سے مراد کسی مجتہد کے قول کو اس کی دلیل جانے بغیر قبول کرنا ہے۔ تقلید کی حدود یہ ہیں: اوّل، یہ عوام و غیر مجتہدین کے لیے عمل کا راستہ ہے، کیونکہ ہر شخص کے لیے خود استنباط ممکن نہیں؛ قرآن نے ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ﴾ کہہ کر یہی راستہ بتایا ہے۔ دوم، تقلید قطعیات میں نہیں ہوتی اور نہ کسی مجتہد کو معصوم سمجھ کر ہوتی ہے؛ امام کی خطا ثابت ہونے پر اہلِ علم کا فرض ہے کہ دلیل کی پیروی بتائی جائے—خود ائمہ نے فرمایا کہ ہماری بات دلیل کے خلاف ہو تو دلیل کو لیا جائے۔ سوم، تقلید کی پسندیدہ صورت ’تقلیدِ شخصی بمذہب‘ یعنی ایک مکتب کی منظم پیروی ہے جس سے عبادات و معاملات میں یکسانی و اطمینان حاصل ہوتا ہے؛ البتہ ضرورت و حرج کی صورتوں میں اہلِ علم کی نگرانی میں دوسرے معتبر قول کی طرف رجوع کی گنجائش فقہی روایت میں موجود ہے، جس پر مشق نمبر 1 کے سوال نمبر 5 میں تفصیل آئی ہے۔ شرائط میں یہ شامل ہے کہ جس کی تقلید کی جائے وہ واقعی اہلِ اجتہاد ہو، پیروی خواہشات کی تلاش میں نہ ہو، اور مقلد اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں سے کم از کم اجمالی واقفیت رکھنے کی کوشش کرے۔

جدول: اجتہاد و تقلید کا تقابلی خلاصہ

پہلو	اجتہاد	تقلید
مخاطب	شرائطِ اہلیت رکھنے والا مجتہد	عوام و غیر مجتہد اہلِ علم
دائرہ	ظنی و اجتہادی مسائل	مجتہد کے اجتہادی اقوال کی پیروی

مفتی / امام پر اعتماد، دلیل کی تفصیل علماء کا کام	براہِ راست دلائل سے استنباط	دلیل کا علم
خطا کی ذمہ داری اصولاً اہلِ علم پر	موجود، اسی لیے اختلاف میں وسعت	خطا کا امکان
عوام کے عمل کی رہنمائی و نظام کا استحکام	نئے مسائل کا حل و فقہ کا ارتقا	اہمیت

دونوں کی اہمیت اور باہمی تعلق

اجتہاد کی اہمیت یہ ہے کہ یہ شریعت کی دائمیت کا ضامن ہے: اگر اجتہاد رک جائے تو بدلے حالات کے مسائل بے جواب رہ جائیں گے اور لوگ شریعت سے دور ہو جائیں گے۔ تقلید کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اربوں انسانوں کے روزمرہ دین کو ممکن بناتی ہے؛ ہر شخص مجتہد نہیں بن سکتا، جیسے ہر مریض طبیب نہیں بنتا مگر علاج سب کا ہوتا ہے۔ دونوں کا تعلق تکمیلی ہے: مجتہد اجتہاد کرتا ہے، عوام اس پر اعتماد کر کے عمل کرتے ہیں، اور علمائے کرام دونوں کے درمیان رابطہ ہیں۔ تاریخی طور پر جن ادوار میں یہ توازن برقرار رہا وہاں فقہ نے عظیم ارتقا کیا، اور جہاں ایک فریق نے دوسرے کو ختم کرنا چاہا—خواہ اجتہاد کے نام پر ہر کس کی رائے زنی ہو یا تقلید کے نام پر تحقیق کی کلی بندش—وہاں نظام کمزور ہوا۔ عصرِ حاضر میں فقہی مجامع کی اجتماعی اجتہادی کوششیں اور ساتھ عوام کے لیے منظم افتا کا نظام اسی توازن کی جدید صورت ہے، جس میں سیاسی، طبی و مالی مسائل اجتماعی تحقیق سے حل ہوتے ہیں اور فرد اپنے مفتی سے رہنمائی لیتا ہے۔

نتیجہ

محاصل یہ کہ اجتہاد ان ظنی مسائل میں اہلیت رکھنے والوں کی وہ شرعی کوشش ہے جو نصوص کے دائرے اور سخت شرائط کے اندر رہ کر کی جاتی ہے، اور تقلید غیر مجتہد کے لیے دلیل کے اہل پر اعتماد کر کے عمل کرنے کا نام ہے، جس کی حدود قطعیات اور خواہش پرستی سے اوپر ہیں۔ دونوں کی اہمیت اس میں ہے کہ اجتہاد فقہ کو زندہ و رواں رکھتا ہے اور تقلید اسے عوام کے لیے قابلِ عمل بناتی ہے۔ اصولِ افتا کا یہی متوازن فہم اس کورس کی روح ہے، اور طالبِ علم کو اپنے عملی دین میں ہمیشہ مستند اہلِ علم کی رہنمائی اختیار کرنی چاہیے۔